۹

رحم میں وسعت اختیار کرو

(فرمودہ ۴؍ مارچ ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ کی جماعتیں یعنی حزبُ اللہ اور خدا کا گروہ جب کبھی دنیا میں قائم ہوتا ہے تو اس کو تمام دنیا سے ایک روحانی جنگ کرنی پڑتی ہے۔ لیکن روحانی جنگ سب سے پہلے انسان کو اپنے نفس سے کرنی ضروری ہوتی ہے کیونکہ ایسا شخص جس کا گھر دشمن کے قبضہ میں ہو وہ باہر جا کر نہیں لڑسکتا۔ جس کا کوئی مُلک ہی نہ ہو اس نے جنگ کیا کرنی ہے۔ اسی طرح جس شخص کے دل پر شیطانی قبضہ ہو اُس نے شیطانی مظاہر کا دنیا میں مقابلہ کیا کرنا ہے۔ آخر فوجوں کے رکھنے کیلئے یا ذخیروں کے رکھنے کیلئے یا گولہ و بارود رکھنے کیلئے یا اور سامانِ جنگ رکھنے کیلئے کوئی مُلک چاہیئے بے مُلک تو کوئی فوج نہیں ہوتی۔ لازماً وہ فوج کہیں سے کھانا مہیا کرے گی، کہیں سے پانی مہیا کرے گی، کہیں سے سامانِ جنگ مہیا کرے گی، کہیں قلعے بنائے گی، کہیں سپاہیوں کیلئے بسیرے اور جگہیں بنائے گی، کہیں خندقیں کھودے گی اور کہیں گھوڑے کھڑے کرے گی اور اگر باقی ضرورتوں کو مدنظر نہ رکھا جائے تو بھی کم سے کم سپاہیوں کے ڈیروں کیلئے ہی ایک وسیع علاقہ کی ضرورت ہوگی مگر جس کا ملک ہی نہیں وہ یہ انتظام کس طرح کرسکتا ہے۔

اس اصل کے ماتحت روحانی فوج کیلئے بھی مُلک کی ضرورت ہؤا کرتی ہے مگر روحانی فوج کا مُلک انسان کا دل ہوتا ہے اور جس شخص کا دل اپنے قبضہ میں نہ ہو وہ روحانی معارف کی فوج

کہاں رکھے گا اور اس کے قدم کس جگہ ٹِکیں گے۔ تم کہو گے زمین پر۔ مگر روحانی جنگ زمین پر نہیں لڑی جاتی بلکہ وہ جنگ دلوں میں کی جاتی ہے، وہ جنگ دماغوں میں کی جاتی ہے اور جو جنگ دلوں اور دماغوں میں کی جاتی ہو وہاں روحانی ہتھیاروں کی ہی ضرورت ہوگی اور وہ روحانی ہتھیار تقویٰ وطہارت اور وہ معارف وعلوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل پر نازل ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا دل اور دماغ اپنا نہیں تو وہ ان چیزوں کو رکھے گا کہاں؟ پس روحانی جماعتوں کو اپنے دل اور اپنے دماغ کی صفائی کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس شخص کا دماغ صاف نہیں اس کے افکار صاف نہیں ہو سکتے کیونکہ تدبر کا تعلق فکر کے ساتھ ہوتا ہے اور جس شخص کا دل صاف نہیں اس کا تقویٰ صاف نہیں ہوسکتا اور جس کا تقویٰ صاف نہیں اسے خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید کبھی حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ جذبات کا اصل مقام دل ہے گو ان کا ظہور دماغ کے اعصاب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

سائنسدان اِس بات پر بحثیں کرتے چلے آئے ہیں کہ انسانی روح کا منبع درحقیقت دماغ ہے دل نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ روح کی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انسانی روح کا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیموں اور رؤیا وکشوف سے پتہ چلتا ہے دل سے تعلق ہے۔ ہاں دماغ چونکہ منبتِ[1] اعصاب ہے اس لئے قلبی علوم کو محسوس کرنا اور دل کے علومِ مخفیہ سے مستفیض ہونا اس کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حیات کا مقام دل کو قرار دیا ہے دماغ کو نہیں۔ اور روح کا سب سے گہرا تعلق اُسی عضو سے ہوسکتا ہے جو انسانی جسم میں سب سے اہم حیثیت رکھتا ہو اور جس کا کام سب سے نمایاں ہو اور وہ اہم کام دل کا ہی ہے دماغ کا نہیں۔ دل کی ایک سیکنڈ کی حرکت بند ہونے سے کلّی طور پر انسان پر موت وارد ہو جاتی ہے لیکن دماغ میں اگر کوئی فتور پیدا ہو جائے تو گو اس وجہ سے کہ دماغ کا کام علومِ قلبیہ کو محسوس کرنا ہے، علوم پردہ میں آجاتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ انسان پر موت بھی وارد ہو جائے۔ تو دماغ خادم ہے اور دل وہ اصل مرکز ہے جہاں اللہ تعالیٰ اپنے انوار نازل فرماتا ہے۔ خیر یہ تو ایک لمبی بحث ہے جس میں مَیں اس وقت نہیں پڑنا چاہتا۔ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک مؤمن کیلئے اپنے دل اور دماغ کی صفائی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ ایک شخص خواہ فلسفیوں کے تتبُّع میں تدبر

اور تفکّر اور اخلاقِ فاضلہ کا تمام مدار دماغ پر رکھے یا یہ کہے کہ انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے اور دماغ کو علوم اور معارف سے کچھ تعلق نہیں پھر خواہ وہ دل اور دماغ کی بجائے جذبات اور افکار کا لفظ استعمال کرے بہرحال کوئی بھی صورت ہو انسان کیلئے دو چیزوں کی صفائی نہایت ضروری ہے جن میں سے ایک فکر ہے اور دوسری جذباتِ لطیفہ۔ انسان کے گہرے جذبات یعنی جذبات کی حِسّ نہ کہ عارضی جذبے قلوب کی صفائی سے پیدا ہوتے ہیں اور افکار کی صفائی جسے عربی میں تنویر کہتے ہیں دماغ کی صفائی سے حاصل ہوتی ہے۔ تنویر اِس بات کو کہتے ہیں کہ انسان کے اندر ایسا نور پیدا ہو جائے کہ اسے ہمیشہ خیالِ صحیح پیدا ہو۔ فعلاً صحیح خیال کا پیدا ہونا تنویر نہیں بلکہ ایسے ملکہ کا پیدا ہو جانا کہ ہمیشہ صحیح خیالات ہی پیدا ہوتے رہیں تنویر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے خود سُنا ہے۔ بعض دفعہ جب آپ سے کوئی فقہی مسئلہ پوچھا جاتا تو چونکہ یہ مسائل زیادہ تر انہی لوگوں کو یاد ہوتے ہیں جو ہر وقت اسی کام میں لگے رہتے ہیں۔ بسا اوقات آپ فرمادیا کرتے کہ جاؤ مولوی نورالدین صاحب سے پوچھ لو یا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کا نام لیتے کہ ان سے پوچھ لو یا مولوی سید محمد احسن صاحب کا نام لے کر فرماتے کہ ان سے پوچھ لو یا کسی اور مولوی کا نام لے لیتے اور بعض دفعہ جب آپ دیکھتے کہ اس مسئلہ کا کسی ایسے امر سے تعلق ہے جہاں بحیثیت مأمور آپ کیلئے دنیا کی راہنمائی کرنا ضروری ہے تو آپ خود مسئلہ بتادیتے۔ مگر جب کسی مسئلہ کا جدید اصلاح سے تعلق نہ ہوتا تو آپ فرمادیتے کہ فلاں مولوی صاحب سے پوچھ لیں اور اگر وہ مولوی صاحب مجلس میں ہی بیٹھے ہوئے ہوتے تو اُن سے فرماتے کہ مولوی صاحب یہ مسئلہ کس طرح ہے۔ مگر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ جب آپ کہتے کہ فلاں مولوی صاحب سے یہ مسئلہ دریافت کر لو تو ساتھ ہی آپ یہ بھی فرماتے کہ ہماری فطرت یہ کہتی ہے کہ یہ مسئلہ یوں ہونا چاہئے اور پھر فرماتے ہم نے تجربہ کیا ہے کہ باوجود اس کے کہ کوئی مسئلہ ہمیں معلوم نہ ہو اُس کے متعلق جو آواز ہماری فطرت سے اُٹھے بعد میں وہ مسئلہ اسی رنگ میں حدیث اور سنت سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ چیز ہے جو تنویر کہلاتی ہے۔ تو تنویر اس بات کو کہتے ہیں کہ انسانی دماغ میں جو خیالات بھی پیدا ہوں وہ درست ہوں۔ جس طرح ایک تندرستی تو یہ ہوتی ہے کہ انسان کہے میں اِس وقت تندرست ہوں۔ اور ایک تندرستی

یہ ہوتی ہے کہ انسان آگے بھی تندرست رہے۔ تو تنویر وہ فکر کی درستی ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ جو خیالات بھی پیدا ہوں درست ہی ہوں۔ تو روحانی ترقی کیلئے تنویرِ فکر ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح روحانی ترقی کیلئے تقویٰ اور طہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو تنویر کے معنے دماغ کی نسبت سے ہیں وہی تقویٰ کے معنی دل کی نسبت سے ہیں۔ ہمارے لوگ عام طور پر غلطی سے نیکی اور تقویٰ کو ایک چیز سمجھ لیتے ہیں حالانکہ نیکی وہ نیک کام ہوتا ہے جو ہم کر چکے ہیں یا آئندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر تقویٰ یہ ہے کہ انسان ایسے مقام پر کھڑا ہو جائے کہ اس کے اندر آئندہ جو جذبات بھی پیدا ہوں وہ نیک ہوں۔ تو افکار کیلئے تنویر اور جذبات کیلئے تقویٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور جب کسی انسان کو تنویرِ افکار اور تقویٰ قلب حاصل ہو جائے تو وہ بدی کے حملہ سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے فضل کے نیچے آ جاتا ہے۔

پس یہ دو چیزیں ہیں جن کی جماعت کو ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے خیالات صحیح ہوں اور ہمارے جذبات پاکیزہ ہوں۔ اور دوسری یہ کہ نہ صرف ہمارے خیالات صحیح ہوں بلکہ ہمارے اندر ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ آئندہ جب بھی ہمیں کوئی خیال پیدا ہو وہ صحیح ہو اور نہ صرف ہمارے جذبات پاکیزہ ہوں بلکہ ہمارے اندر ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ آئندہ جب بھی ہمارے اندر جذبات پیدا ہوں وہ پاکیزہ ہوں۔ اول امر کو تنویر کہتے ہیں اور دوسرے امر کو تقویٰ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی دماغ کو تنویر عطا کی جاتی ہے اور کسی کے دل میں ایسا مادہ تقویٰ پیدا کر دیا جاتا ہے کہ باوجود کسی بات کو نہ جاننے کے وہ سمجھ جاتا ہے کہ شیطان اس موقع پر مجھے دھوکا دے رہا ہے۔

چند بزرگوں کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اکٹھے مل کر سفر کر رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص نے مہمان نوازی کے طور پر ان کی دعوت کی اور کھانا ان کے سامنے رکھا۔ جب وہ کھانا کھانے کیلئے بیٹھے تو معاً سب نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے۔ جب انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا کہ آپ نے ہاتھ کیوں کھینچے ہیں؟ تو ہر ایک نے یہی کہا کہ یہ کھانا طیب معلوم نہیں ہوتا۔ آخر جس نے دعوت کی تھی اُسے بُلا کر انہوں نے پوچھا۔ تو مجھے اب اچھی طرح یاد نہیں اُس نے جانور کے

متعلق یہ کہا کہ وہ مر گیا تھا اور میں نے اس کا گوشت حاصل کر لیا یا اَور کوئی ایسی ہی بات تھی اور اس طرح اس نے اقرار کیا کہ واقعہ میں یہ کھانا جائز نہیں تھا۔ آخر اس نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے یہ کیونکر معلوم کر لیا کہ یہ کھانا ناجائز ہے؟ تو ان سب نے یہ جواب دیا کہ جب یہ کھانا ہمارے سامنے رکھا گیا تو ہمارے نفس میں اس کے کھانے کیلئے خاص طور پر رغبت پیدا ہوئی۔ جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ یہ ضرور کوئی گناہ والی بات ہے تبھی ہمارا نفس اس قدر رغبت کا اظہار کر رہا ہے۔ اب یہ ایک جذباتی امر ہے، افکار سے اس کا تعلق نہیں کیونکہ فکر ظاہری باتوں پر غور کر کے دلیل کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ تو جب انسان ایسے مقام پر کھڑا ہو جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی خود بخود راہنمائی ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کو ایسی مخفی ہدایت ملتی ہے جسے الہام بھی نہیں کہہ سکتے اور جس کے متعلق ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ الہام سے جُدا امر ہے۔ الہام تو ہم اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ لفظی الہام نہیں ہوتا اور عدمِ الہام ہم اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ عملی الہام ہوتا ہے اور انسانی قلب پر اللہ تعالیٰ کا نور نازل ہو کر یہ بتا دیتا ہے کہ معاملہ یوں ہے حالانکہ لفظوں میں یہ بات نہیں بتائی جاتی۔ بعض دفعہ جب اس سے بھی واضح رنگ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات بتائی جاتی ہے تو اسے کشف کہہ دیتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ بہت سے آدمی جب میرے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر سے مجھے ایسی شعاعیں نکلتی معلوم دیتی ہیں جن سے مجھے پتہ لگ جاتا ہے کہ ان کے اندر یہ یہ عیب ہے یا یہ یہ خوبی ہے۔ مگر یہ اجازت نہیں ہوتی کہ انہیں اس عیب سے مطلع کیا جائے۔ میں نے اپنے طور پر بھی دیکھا ہے کہ بعض دفعہ جب کوئی شخص مجھ سے ملتا ہے تو اس شخص کے قلب میں سے ایسی شعاعیں نکلتی دکھائی دیتی ہیں جن سے صاف طور پر اس کا اندرونہ کُھل جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر کوئی کپٹ[۲] ہے یا غصہ ہے یا محبت ہے۔

ایک دفعہ ایک دوست مجھ سے ملنے آئے۔ وہ نہایت ہی مخلص تھے۔ مگر مجھ پر اُس وقت اثر ایسا پڑا جس سے میں نے محسوس کیا کہ ان کے دل میں کوئی خرابی پیدا ہو چکی ہے۔ میں نے بعض دوستوں سے اس کا ذکر کیا کہ مجھے ایسا نظارہ نظر آیا ہے مگر انہوں نے اس دوست کی بڑی تعریف کی حالانکہ میرے ساتھ ایسا کئی دفعہ ہوا ہے کہ ایک شخص مجھ سے ملنے آیا اور وہ حقیقت میں

مخلص ہے تو میں نے محسوس کیا کہ میری روح میں سے کوئی چیز نکل رہی ہے اور اس کی روح میں سے بھی کوئی چیز نکل رہی ہے اور وہ آپس میں مل گئی ہیں۔ مگر جب دوسرا شخص مخلص نہ ہو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ میری روح اس کی روح کو دھکا دے رہی ہے۔ اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کے دل میں جذباتِ تنافر پائے جاتے ہیں۔ مگر جب ارواح کا اتّصال ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جذبات محبت پائے جاتے ہیں۔ پس وہ دوست بھی جب مجھ سے ملنے آئے تو میری فطرت نے محسوس کیا کہ ان کے اندر خرابی پیدا ہو چکی ہے حالانکہ وہ اُس وقت نہایت مخلص تھے۔ آخر سالہا سال کے بعد اس دوست کو ٹھوکر لگی اور پھر ان کے خیالات میں بھی کئی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ گو یہ بات ابتلاء تک ہی رہی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ ہونے سے بچا لیا مگر بہرحال بات ظاہر ہو گئی اور ان کے اندر جو تنافر اور سلسلہ کے کاموں سے بے رغبتی کا جذبہ کام کر رہا تھا وہ ظاہر ہو گیا۔

پس ایسا معاملہ میرے ساتھ بھی کئی دفعہ ہوا ہے۔ گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا تھا اور میرے ساتھ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ جب تک انسان اپنی فطرت کو آپ ظاہر نہیں کر دیتا وہ اسے مجرم قرار نہیں دیتا اس لئے اس سنت کے ماتحت انبیاء اور ان کے اظلال کا بھی یہی طریق ہے کہ وہ اُس وقت تک کسی شخص کے اندرونی عیب کا کسی سے ذکر نہیں کرتے جب تک وہ اپنے عیب کو آپ ظاہر نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا اس بات سے ہی علم ہو سکتا ہے کہ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسی وقت یہ جانتا ہے کہ بڑا ہو کر یہ مثلاً ڈاکو بنے گا۔ مگر خدا تعالیٰ باوجود علم کے اُسے سزا نہیں دیتا۔ یا ایک شخص کے دل میں گناہ کے خیالات پیدا ہو رہے ہوتے ہیں مگر خدا تعالیٰ دل کے خیالات پر اُس وقت تک گرفت نہیں کرتا جب تک عمل سے ان خیالات کو وہ پورا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ یہی حال اس کے مقربین کا بھی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کسی بندے کو دوسرے کا عیب بتاتا ہے تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دے دیتا ہے کہ اس عیب کو ظاہر نہ کرو کیونکہ اُس وقت جب ایک شخص ظاہر میں نیک کہلاتا ہوا اُس کی ظاہری نیک نامی کو برباد کرنا بھی گناہ ہوتا ہے۔

غرض ہماری جماعت کو دنیا کا روحانی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنے کیلئے اپنے قلوب کی

اصلاح کرنی چاہیئے۔مگر میں دیکھتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگ غصہ اور جوش میں آجاتے ہیں۔کئی ہیں جو امانت میں خیانت کرتے ہیں، کئی ہیں جو اپنی ذمہ داری کو صحیح رنگ میں ادا نہیں کرتے۔ یہ مثالیں جہاں غیر از جماعت لوگوں پر بُرا اثر ڈالتی ہیں وہاں اپنی جماعت کے بعض لوگ بھی ایسے لوگوں کو دیکھ کر عمل میں سُست ہو جاتے ہیں حالانکہ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ ایک شخص خودکشی کرے تو اسے دیکھ کر سارے لوگ خودکشی کرنے لگ جائیں مگر دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو دوسروں کو جب نیک اعمال میں سُستی کرتے دیکھتے ہیں تو خود بھی سُستی کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو دوسروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ اس گناہ کی نقل کریں بلکہ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس گناہ کو روکیں اور خود اس سے بچنے کی کوشش کریں۔تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ جب ڈاکہ یا چوری کی وارداتیں لوگ سُنیں تو ڈاکہ اور چوری کو پسند کرنے لگ جائیں۔ پھر اگر ڈاکہ اور چوری جو تمدنی گناہ ہیں، اُنہیں دیکھ کر ڈاکہ اور چوری سے نفرت ہی پیدا ہوتی ہے، ان کی طرف رغبت پیدا نہیں ہوتی تو جو اخلاقی اور مذہبی گناہ ہیں انہیں دیکھ کر بھی نفرت ہی پیدا ہونی چاہیئے۔اگر ایک ڈاکہ کی واردات سن کر سارے زمیندار یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ فلاں نے بہت بُرا کیا تو کسی کے متعلق یہ سن کر کہ وہ نمازیں نہیں پڑھتا ایک شخص کے دل پر یہ اثر ہونا کہ معلوم ہوتا ہے یہ معمولی بات ہے آئندہ میں بھی ایسا ہی کروں گا محض حماقت اور نادانی ہے۔پس بُری مثالوں سے اپنی قوتِ عمل کو کمزور نہیں ہونے دینا چاہیئے اور نہ بُری باتوں کی تشہیر کرنی چاہیئے کیونکہ اس طرح بدی دنیا میں کثرت سے پھیل جاتی ہے۔یہی امر خدا تعالیٰ نے سورۂ نور میں اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑳ [۳] میں بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ بُری باتوں کا مجالس میں تذکرہ نہیں کرنا چاہیئے ورنہ لوگ عام طور پر ان باتوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ دنیا میں لوگ کثرت سے ڈاکہ اور چوری وغیرہ بُرے افعال سے نفرت کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے میں کہتا ہوں کہ اگر یہ واقعات بجائے شاذ و نادر ہونے کے کثرت سے ہونے لگ جائیں یا ان کا ذکر لوگوں میں کثرت سے ہونے لگے تو تھوڑے ہی

دنوں میں تم دیکھو گے کہ ڈاکہ کی وارداتیں زیادہ ہونے لگیں ہیں جیسے گجرات، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ وغیرہ اضلاع میں کئی بڑے بڑے شریف نمازی اور تہجد گزار کہلانے والے دوسرے کی بھینس کھول کر گھر لے آئیں گے اور اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں کریں گے کہ انہوں نے کوئی بُرا کام کیا ہے۔ میرے ایک دفعہ گھوڑے چوری ہوگئے۔ تو ایک احمدی نے جو پہلے چوروں کے ساتھ مل کر چوریاں کیا کرتے تھے مجھے کہلا بھیجا کہ آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم سارے علاقہ کو سیدھا کر دیتے ہیں۔ میں نے پیغامبر کو جواب دیا کہہ دینا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں توبہ کی توفیق عطا فرمائی ہے، اب یہی بہتر ہے کہ آپ اپنی توبہ پر قائم رہیں اور اس کو توڑنے کی کوشش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اَور گھوڑے دے دے گا۔

غرض بعض علاقوں میں جانوروں کی چوری کی اتنی کثرت ہے کہ اسے اعلیٰ درجہ کا بہادری کا فن سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً گجرات کے علاقہ میں ہی بعض اقوام میں پہلے یہ رواج ہؤا کرتا تھا گو اب شاید نہیں کہ بیٹے کو پگڑی نہیں پہناتے تھے جب تک وہ ایک چوری کی بھینس اپنی بہن کو لا کر نہ دے۔ لڑکا جب جوان ہو جاتا اور پگڑی اُس کے سر پر نہ ہوتی تو اپنے رشتہ دار اسے طعنے دیتے اور کہتے بے حیا! اتنا بڑا ہو گیا ہے مگر اب تک اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک بھینس چُرا کر اپنی بہن کو لا دے اور اپنے سر پر پگڑی بندھوائے۔ اس طرح پر ہر نوجوان کو چوری پر مجبور کیا جاتا اور وہ بڑا ہو کر جانوروں کا چور بنتا۔

ہماری جماعت کے ایک مخلص احمدی ہیں بلکہ اب تو وہ ہجرت کر کے قادیان آئے ہوئے ہیں۔ جب وہ شروع شروع میں آئے تو ان کا ایک لڑکا ان کے ساتھ تھا جس کے سر پر پگڑی نہیں تھی۔ ہماری والدہ صاحبہ حضرت اماں جان نے گھر میں ان کی اہلیہ سے دریافت کیا کہ اس بچے کے سر پر پگڑی کیوں نہیں تو اس نے بتایا کہ جب یہ کسی کی بھینس چُرا کر اپنی بہن کو لا کر دے گا تب اس کے سر پر پگڑی باندھی جائے گی۔ کیونکہ یہ ہمارے علاقہ کا دستور ہے۔ گو وہ دوست ہمیشہ یہ واقعہ سُن کر شرمندہ ہؤا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات نہیں تھی میرے گھر والوں نے صرف ہنسی سے ایسا ذکر کیا تھا مگر بہرحال ان کے علاقہ میں یہ رواج تو تھا تبھی ان کی اہلیہ نے ذکر کیا۔ یہی بات ایک دفعہ ہمارے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے سُنی تو اس کا

ان پر اتنا اثر ہؤا کہ ایک دفعہ جبکہ مجلس میں بعض اور دوست بھی بیٹھے ہوئے تھے، برسبیلِ تذکرہ وہ کہنے لگے کہ گجرات کا ہر شخص چور ہوتا ہے۔ میرے ذہن میں اُس وقت یہ حکایت نہیں تھی۔ میں نے کہا یہ صحیح نہیں۔ ہر علاقہ میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں۔ کہنے لگے نہیں گجرات کا ہر شخص چور ہوتا ہے۔ میں نے کہا میر صاحب! آپ کی یہ بات درست نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی اس علاقہ کے لوگ شامل ہیں اور وہ بڑے نیک ہیں۔ وہ میری اس بات پر بھی کہنے لگے خواہ کچھ ہو چور ضرور ہوں گے۔ میرا ذہن اُس وقت تک بھی اس قصہ کی طرف نہیں گیا اور میں نے چند دوستوں کے نام لئے کہ دیکھیں فلاں دوست کیسے نیک ہیں، فلاں دوست کیسے نیک ہیں۔ وہ کہنے لگے اگر وہ گجرات کے ہیں تو چور ضرر ہوں گے۔ اِس دوران میں چونکہ ایک مذاق کی صورت پیدا ہوگئی تھی اس لئے میں نے نام لے کر کہا کہ حافظ روشن علی صاحب گجرات کے علاقہ کے ہیں، کیا وہ بھی چور ہیں؟ میرے اس جواب پر میر صاحب کہنے لگے حافظ روشن علی صاحب گجرات کے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر وہ پہلے تو ذرا رُک گئے پھر بولے اگر وہ گجرات کے ہیں تو وہ بھی چور ہوں گے۔ آخر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اتنے وثوق سے یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ وہاں تو دستور ہے کہ بچہ کے سر پر اُس وقت تک پگڑی نہیں باندھتے جب تک وہ ایک بھینس چُرا کر گھر میں نہ لے آئے۔ اس تشریح سے غالباً گجرات کے دوستوں کے دل کی تکلیف جاتی رہے گی۔ ورنہ پہلے تو انہیں ان کی بات بُری ہی لگی ہوگی۔ اب یہ جو رسم ان علاقوں میں ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ ان اضلاع میں چونکہ ہر وقت جانوروں کی چوری کا ذکر ہوتا رہتا ہے اس لئے سارے علاقہ میں چوری کا رواج ہوگیا ہے۔ یوں اگر وہ سُنیں کہ کسی نے دوسرے کا روپیہ اُٹھا لیا ہے تو وہ بھی بُرا مناتے ہیں لیکن جانوروں کی چوری کے ذکر پر ان کے دلوں میں کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ذکر ان میں عام ہے اور جس بدی کا ذکر عام ہو جائے وہ قوم کے افراد میں پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح پٹھانوں میں قتل کا رواج ہے اور وہ اسے کوئی عیب نہیں سمجھتے کیونکہ ہر وقت ان میں قتل کا چرچا رہتا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ کسی پٹھان کا لڑکا ایک ہندو سے پڑھتا تھا۔ ایک دن استاد کسی بات پر ناراض ہؤا تو لڑکے نے تلوار اُٹھالی اور چاہا کہ اسے قتل کر دے۔ وہ ہندو آگے آگے بھاگا اور

لڑکا پیچھے پیچھے۔ وہ بھاگتا جارہا تھا کہ رستہ میں اس لڑکے کا باپ مل گیا اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ باپ اسے روک لے گا کہا خان صاحب دیکھئے آپ کا لڑکا مجھے قتل کرنا چاہتا ہے اسے روکئے۔ اب خان صاحب بجائے اس کے کہ اپنے لڑکے کو روکتے اُس ہندو کو گالی دے کر کہنے لگے او بنئے! کیا کررہا ہے میرے بیٹے کا پہلا وار ہے، یہ خالی نہ جائے۔ غرض جب اشاعتِ فحش ہوا اور بدی کا ذکر عام طور پر لوگوں کی زبان پر ہو تو وہ بدی قوم میں پھیل جاتی ہے اسی لئے ہماری شریعت نے عیوب کا عام تذکرہ ممنوع قرار دیا ہے اور فرمایا ہے جو اُولِی الْاَمْرِ ہیں ان تک بات پہنچا دو اور خود خاموش رہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور ہر شخص کو یہ اجازت ہو کہ وہ دوسرے کا جو عیب بھی سُنے اسے بیان کرتا پھرے تو اس کے نتیجہ میں قلوب میں سے بدی کا احساس مٹ جاتا ہے اور بُرائی پر دلیری پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اسلام نے بدی کی اس جڑ کو مٹایا اور حکم دیا کہ تمہیں جب کوئی بُرائی معلوم ہو تو اُولِی الْاَمْرِ [۴] کے پاس معاملہ پہنچاؤ جو سزا دینے کا بھی اختیار رکھتے ہیں اور تربیتِ نفوس اور اصلاحِ قلوب کیلئے اَور تدابیر بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بدی کی تشہیر نہیں ہوگی، قوم کا کریکٹر محفوظ رہے گا اور لوگوں کی اصلاح بھی ہو جائے گی۔

پس یاد رکھو کہ نیکی کی تشہیر اور بدی کا اخفا یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ قومیں اس سے بنتی اور قومیں اس سے بگڑتی ہیں۔ جتنا تم اس بات کا زیادہ ذکر کرو گے کہ فلاں اتنی قربانی کرتا ہے، فلاں اس طرح نمازیں پڑھتا ہے، فلاں اس اہتمام سے روزے رکھتا ہے، اتنا ہی لوگوں کے دلوں میں دین کیلئے قربانی کرنے اور نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ اور جتنی تم اس بات کو شُہرت دو گے کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، وہ خیانت کرتے ہیں، وہ چوری کرتے ہیں، وہ ظلم کرتے ہیں، اتنا ہی لوگوں کو ان بدیوں کی طرف رغبت پیدا ہوگی اسی لئے قرآن کریم نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ جب تم کسی کی نیکی دیکھو تو اسے خوب پھیلاؤ اور جب کسی کی بدی دیکھو تو اس پر پردہ ڈالو۔ ایک بلی بھی جب پاخانہ کرتی ہے تو اُس پر مٹی ڈال دیتی ہے پھر انسان کیلئے کس قدر ضروری ہے کہ وہ بدی کی تشہیر نہ کرے بلکہ اُس پر پردہ ڈالے اور اس کے ذکر سے اپنے آپ کو روکے۔ اگر اس ذکر سے اپنے آپ کو نہیں روکا جائے گا تو متعدی امراض کی طرح وہ بدی قوم کے دوسرے افراد میں سرایت کرے گی اور خود اس کا خاندان تو

لازماً اس میں مبتلا ہوگا۔

تو بدیوں میں لوگوں کی نقل نہیں کرنی چاہئے بلکہ نیکیوں میں لوگوں کی نقل کرنی چاہئے اور ضمنی طور پر میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیکیوں کی تشہیر ضروری ہوتی ہے اور بدیوں کا چُھپانا ضروری ہوتا ہے۔ دیکھو باوجود اس بات کے کہ ریاء سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے پھر بھی اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴿۱۲﴾ [5] یعنی ریاء تو منع ہے لیکن اگر برسبیلِ تذکرہ بغیر اس کے کہ فخر ہو یا خیلاء اور تکبر ہو اگر کبھی تم اپنی نیکیوں کا ذکر کر دیا کرو تو یہ اَور لوگوں کیلئے ہدایت کا موجب ہوسکتا ہے اور ایسا کرنا پسندیدہ امر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آتا ہے کہ بعض دفعہ جب ضروریاتِ دینی کیلئے آپ صحابہ سے چندہ کا مطالبہ کرتے تو لوگوں کو تحریص دلانے کیلئے فرماتے کہ فلاں نے اتنا چندہ دیا ہے۔ اب کون ہے جو اُس سے سبقت لے جائے۔ اِس پر صحابہ نیکی میں مقابلہ کرتے اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے لیکن ایسا کبھی کبھار کرنا چاہئے جب ریاء اور نمائش نہ ہو یا تماشہ کی صورت نہ بن جائے۔ جیسے انجمنوں میں کیا جاتا ہے کہ ایک پنسل رکھ کر کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں یتیم کی پنسل ہے کتنے روپے کی لوگے؟ یہ تماشہ ہے اور اس قسم کا فعل کوئی پسندیدہ فعل نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن اگر لوگوں کو نیکی کی تحریص و ترغیب دلانے کیلئے بعض دفعہ اپنی نیکی کا ذکر کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہے بلکہ بسا اوقات مفید ثابت ہوتا ہے۔

پس ہماری جماعت کو نیکیوں میں بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ دشمن اگر گندے حملے کرتا ہے تو کرے۔ تمہیں اس کے مقابلہ میں گندے حملے کرنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تم بھی ویسا ہی گندہ حملہ کردو تو یہ ویسی ہی مثال ہوگی جیسے کہتے ہیں کہ کسی بیوقوف کا کٹورہ کوئی نمبردار مانگ کر لے گیا پھر شاید وہ بھول گیا یا اُس کا ارادہ ہی واپس کرنے کا نہ رہا۔ حتّٰی کہ کئی دن گزر گئے۔ ایک دن وہ بیوقوف اُس کے گھر چلا گیا اور دیکھا کہ وہ اس کے کٹورے میں ساگ کھا رہا ہے۔ وہ کہنے لگا نمبردار! یہ کیسی بُری بات ہے کہ تم مجھ سے کٹورہ مانگ کر لائے اور چار پانچ مہینے ہوگئے مگر تم نے اب تک واپس نہیں کیا۔ پھر وہ اپنے آپ کو گالی دے کر کہنے لگا تم تو ساگ کھا رہے ہو میں بھی اگر تمہارے کٹورے میں نجاست ڈال کر نہ کھاؤں تو مجھے ایسا ایسا سمجھنا۔

اب کوئی اُس سے پوچھے کہ اگر تم نجاست ڈال کر کھاؤ گے تو تم ہی نقصان اُٹھاؤ گے، اس کا کیا ہوگا۔ تو بدی کے مقابلہ میں بدی کا استعمال کسی صورت میں جائز نہیں۔ دشمن ہر قسم کی شرارتیں کر رہا ہے اور کرے گا۔ مگر تمہیں جہاں تک ہو سکے اپنے جذبات پر قابو رکھنا چاہئے اور نیکیوں میں بڑھتے چلے جانا چاہئے۔ آخر وہ گند جو ہمارا دشمن اُچھال رہا ہے ہم وہ گند اچھال کس طرح سکتے ہیں جب تک ہم بھی اس کی طرح سچ کو نہ چھوڑ دیں۔ اور اگر ہم اس کا مقابلہ کرتے ہوئے سچ کو چھوڑ دیں اور جھوٹ کو اختیار کر لیں تو پھر تو وہی جیتا اور ہم ہارے۔ یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں بھی دشمنوں کا تھا اور یہی طریق پہلے انبیاء کے زمانہ میں مخالفین نے اختیار کیا۔ یہ تو منہاجِ نبوت ہے اور ناممکن ہے کہ دشمن جھوٹ اور فریب سے کام نہ لے۔

ابھی پچھلے ایام میں لاہور کے کالج کے جو طالب علم آئے تھے ان کے سامنے میں نے ایک تقریر کرتے ہوئے انہیں بتایا تھا کہ میرے خلاف ایک درخواست شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی طرف سے عدالت میں اِس مضمون کی دی گئی تھی کہ میں نے اپنے ایک خطبہ میں جماعت کے دوستوں کو کہا ہے کہ اپنے دشمنوں کو قتل کرو۔ حالانکہ بات کیا تھی؟ بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے میرے اس خطبہ میں سے ایک فقرہ کہیں سے لے لیا اور دوسرا کہیں سے۔ مثلاً ایک فقرہ اگر میں نے ایک جگہ کہا ہے تو اُس کو لے لیا۔ پھر دو چار کالم چھوڑ کر ایک اور فقرہ لے لیا اور ان دونوں کو ملا کر ایک نتیجہ قائم کر لیا اور کہہ دیا کہ جماعت کو قتل کرنے کی تحریک کی گئی ہے۔ حالانکہ اصل مضمون اس کے بالکل اُلٹ تھا۔ مثلاً میں نے جو کچھ خطبۂ جمعہ میں کہا اور آپ لوگوں میں سے اکثر نے سنا وہ یہ تھا کہ دنیا میں لوگ دو طریق سے کامیاب ہؤا کرتے ہیں۔ یا تو وہ دوسروں کو مار کر ان پر غالب آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے قومیں ایک دوسرے سے لڑائیاں کرتی اور مدمقابل کو زک پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور یا وہ ماریں کھاتے اور خاموش رہتے ہیں اور اس طرح ان کی مظلومیت ایک دن رنگ لاتی اور انہیں اپنے مقاصد میں کامیاب کر کے دکھا دیتی ہے۔ پھر میں نے بتایا کہ گو دُنیوی طریق یہی ہے کہ دوسروں کو مار کر ان پر غالب آنے کی کوشش کی جائے۔ اگر نبیوں کا طریق جو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور جو انبیاء کی

جماعتوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ماریں کھائیں اور خاموش رہیں، گالیاں سُنیں اور دم نہ ماریں۔ اب یہ جو میں نے کہا تھا کہ نبیوں کی جماعتوں والا طریق یہ ہے کہ تم ماریں کھاؤ اور خاموش رہو۔ اس کو تو انہوں نے حذف کر دیا اور میرے اِس فقرہ کو لے لیا کہ کامیابی دشمن کو مار کر حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ میں نے وہاں صاف طور پر بتا دیا تھا کہ یہ دُنیوی طریق ہے، انبیاء کا طریق نہیں ہے۔ مگر چونکہ تمام فقرات اگر وہ نقل کر دیتے تو ان کا دعویٰ خود ہی باطل ہو جاتا اس لئے انہوں نے کوئی فقرہ کہیں سے لے لیا اور کوئی کہیں سے اور اس کا ایک مفہوم نکال کر کہہ دیا کہ اس میں اپنے دشمنوں کو قتل کرنے کی تحریک کی گئی ہے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے ہم دورانِ گفتگو میں اگر یہ کہیں کہ فلاں چور یہ کہتا ہے کہ چوری کرو تو دوسرا اس فقرہ کے ابتدائی حصہ کو جس میں چور کی طرف بات منسوب کی گئی ہے حذف کر کے کہنا شروع کر دے کہ یہ لوگوں کو کہتے پھرتے ہیں کہ چوری کرو اور اُس امر کو چھُپا ڈالے کہ چور کا قول نقل کیا گیا تھا نہ کہ اپنی طرف سے بات کہی تھی۔

اسی قسم کے ایک شخص کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نمازیں نہیں پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ بھئی نماز کیوں نہیں پڑھتے وہ کہنے لگا میں نماز کیا پڑھوں۔ قرآن کریم خود کہتا ہے کہ نماز نہ پڑھو۔ اُنہوں نے کہا کس جگہ؟ وہ کہنے لگا دیکھو قرآن میں صاف لکھا ہے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ[6] نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔ حالانکہ اس سے اگلا فقرہ ہے وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى[7] یعنی ایسی حالت میں نماز نہ پڑھو جبکہ تم مدہوش ہو۔ جیسے سخت نیند آئی ہوئی ہو یا غصہ میں ہو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں انسان کچھ کا کچھ بکواس کرنے لگتا ہے اور ممکن ہے وہ دعا کرنے کی بجائے بد دعا کرنے لگ جائے۔ مگر یہ فقرہ چونکہ اس کے مفیدِ مطلب نہیں تھا اس لئے اس نے اسے چھوڑ دیا اور پہلا حصہ لے کر کہہ دیا کہ میں کیا کروں مجبور ہوں۔ اگر قرآن کا حکم نہ مانوں تو گنہگار ٹھہروں۔ لوگوں نے کہا اِس آیت کا ذرا اگلا حصہ بھی پڑھو۔ وہ کہنے لگا سارے قرآن پر کس نے عمل کیا ہے۔ کوئی کسی حصے پر عمل کر لیتا ہے اور کوئی کسی پر۔ میں اس حصے پر عمل کرتا ہوں تم دوسرے پر عمل کر لو۔ اسی طرح اپنے خطبہ میں وہ جو میں نے کہا تھا کہ بعض شریر اور مُفسد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے خلاف جیسا کہ اسے میں سمجھتا ہوں، چاہتے ہیں کہ تشدد اور سختی سے دشمن کا مقابلہ کریں وہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ انبیاء کی جماعتیں اسی صورت میں کامیاب ہؤا کرتی ہیں جب وہ وہی طریق اختیار کریں جو خدا نے ان کیلئے مقرر کیا ہے اور جو یہ ہے کہ وہ ماریں کھائیں اور چُپ رہیں۔ اس قسم کے تمام فقرات انہوں نے کاٹ دیئے اور دوسرے نامکمل فقرے لے کر شور مچادیا کہ انہوں نے ہمارے متعلق اپنی جماعت کو کہا ہے کہ انہیں مارو۔ اسی طرح اس خطبہ میں بھی میرا ایک فقرہ ہے اور کئی دوسرے خطبات میں بھی وہ فقرہ آتا ہے کہ دیکھو تم میں سے کئی ہیں جو معمولی باتوں پر اظہارِ غضب کرتے ہیں۔ میں کس طرح مان لوں کہ وہ غیرتمند ہیں۔ اگر وہ سچے ہیں تو دوسروں کو کیوں جوش دلاتے ہیں، خود انہیں کوئی غیرت نہیں آتی اور وہ اسلام پر اپنی آنکھوں سے دشمن کی طرف سے حملے ہوتے دیکھتے ہیں اور گھروں میں خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اب اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جاؤ اور دشمن سے لڑو بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم جماعت میں جوش پیدا کرتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ یہ جھوٹ ہے اگر ایسا ہوتا تو دوسروں کو جوش نہ دلاتے خود اپنے عقیدہ کے مطابق لوگوں سے لڑتے۔ مگر انہوں نے اس فقرہ کا بھی یہ مفہوم لے لیا کہ گویا میں نے لوگوں سے یہ کہا ہے کہ تم لڑتے کیوں نہیں اور بے غیرت بن کر کیوں بیٹھے ہو۔ غرض کوئی فقرہ اس کالم سے اور کوئی اُس کالم سے، کوئی اِس صفحہ سے اور کوئی دو چار صفحے چھوڑ کر اگلے صفحہ سے انہوں نے لے لیا اور اس طرح لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ والے فقرہ کی طرح انہوں نے بھی ایک مضمون تیار کرلیا۔ حالانکہ بعض جگہ میں نے اپنی بات نہیں بیان کی بلکہ دنیا کا عام طریق یا دشمن کا مقولہ بیان کیا ہے اور اگر اس طرح استدلال کرنا درست ہو تو قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ اے خدا! دشمنوں کے عمائد ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو مت چھوڑو اور ان کی پرستش کئے چلے جاؤ۔[۸] اس کے ابتدائی الفاظ کو جن میں یہ بات کفار کے عمائد کی طرف منسوب کی گئی ہے حذف کر کے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت نوحؑ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مشرک ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں وُدا اور سواع اور دوسرے معبودانِ باطلہ کی پرستش مت چھوڑو۔ مگر کیا

کوئی بھی عقلمند اس استدلال کو درست قرار دے گا اسی طرح جن باتوں کی میں نے اس میں تردید کی ہے اور جنہیں اپنی تعلیم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف بتایا ہے اور کہا ہے کہ جو اِن کو نہیں چھوڑتا وہ قرآن کریم اور اسلام کی نافرمانی کرتا ہے۔ انہی باتوں کو انہوں نے میری طرف منسوب کر دیا اور جن فقرات میں یہ باتیں دوسروں کی طرف بتائی گئی تھیں، اُنہیں اُڑا دیا۔

اب اس کے مقابلہ میں اگر تم بھی کہو کہ ہم بھی یہی طریق اختیار کریں گے اور ہم بھی اسی طرح انہیں بدنام کریں گے تو بتاؤ اس کا فائدہ کیا ہؤا اور پھر تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ تم جیتے، جبکہ واقعہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن جیت گیا ہوگا کیونکہ شیطان کی تو غرض ہی یہی ہے کہ وہ تمہیں سچائی سے منحرف کر کے جھوٹ کے راستہ پر ڈال دے۔ پس اگر تم اسی کا تتبع کر کے جھوٹ کو اختیار کر لو تو بہرحال فتح تمہاری نہ ہوئی بلکہ تمہارے دشمن کی ہوئی۔ تمہارا کام تو یہ ہے کہ تم اپنے مقام پر مضبوطی سے کھڑے رہو اور دشمن کے مقابلہ میں بھی جھوٹ اور فریب سے کام نہ لو۔ دشمن اگر ان ہتھیاروں کو استعمال کرتا ہے تو بے شک کرے کیونکہ جب کسی انسان کا دل تقویٰ سے خالی ہو جاتا ہے اور بُغض اس کی بصیرت کے آگے دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے تو وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

آج ہی میرے پاس ایک شکایت پہنچی ہے کہ مصری صاحب کے بعض ساتھی ایک جگہ کھڑے تھے کہ انہوں نے میری تصویر لے کر اس کی ایک آنکھ چاقو سے چھید دی اور اس کے نیچے رنجیت سنگھ کا نام لکھ دیا اور ایسی جگہ پھینک دیا جہاں سے احمدی اسے اُٹھا لیں۔ یہ شکایت پہنچانے والے دوستوں نے لکھا ہے کہ ہمیں یہ دیکھ کر سخت غصہ اور جوش آیا حالانکہ اِس میں جوش کی کون سی بات تھی۔ دشمن جب عداوت میں اندھا ہو جاتا ہے تو وہ اسی قسم کے ہتھیاروں پر اُترا کرتا ہے۔ پھر ہمارے لئے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمارے بزرگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر کو ایک دفعہ ''زمیندار'' نے لوگوں میں جوش پیدا کر کے جُوتیاں مروائی تھیں۔ کچھ دن پہلے اُنہوں نے اس قسم کے مضمون لکھے کہ لوگوں میں اشتعال پیدا ہو۔ پھر ''زمیندار'' نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصویر اپنے اخبار میں

شائع کر دی اور اس پر کئی طرح عوام اور جُہلاء نے تصویر کی ہتک کی۔ چنانچہ انارکلی لاہور میں عین سڑک کے درمیان ایک شخص نے تصویر چسپاں کر دی تا کہ لوگوں کے پاؤں اُس پر پڑیں۔ مگر کیا تم سمجھتے ہو اس کے مقابلہ میں ہمیں بھی یہی چاہئے کہ ہم ان کے باپ دادا کی تصویر لے کر اسے خراب کریں اور اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو اس کا سوائے اس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ بدی اور گند دنیا میں پھیلے۔

پس اِن باتوں کی کبھی پرواہ نہ کرو اور نہ ان باتوں سے جوش اور اشتعال میں آؤ۔ یہ دشمن کے پُرانے ہتھیار ہیں اور ہمیشہ انبیاء کی جماعتوں کے مقابلہ میں اس قسم کے ہتھیار وہ استعمال کرتا چلا آیا ہے۔ میں جب خطبہ پڑھتا ہوں تو گلے کی خرابی کی وجہ سے بعض دفعہ منہ میں دوا کی گولی رکھ لیتا ہوں یا بعض دفعہ پان کی گلوری منہ میں رکھ لیتا ہوں۔ چنانچہ پچھلے جمعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس پر مصری صاحب کے ایک چیلے نے ناظر امور عامہ کو گمنام چٹھی لکھ دی اور لکھا کہ اچھے خلیفۃ المسیح ہیں اِدھر خطبہ پڑھتے ہیں اور اُدھر جگالی کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب اس نے اس کا نام اگر جگالی رکھ دیا تو میرا کیا بگڑا، اُسی کی زبان خراب ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص آیا۔ آپ نے اسے تبلیغ کرنی شروع کی تو باتوں باتوں میں آپ نے فرمایا قرآن میں یوں آتا ہے۔ پنجابی لہجہ میں چونکہ قؔ اچھی طرح ادا نہیں ہوسکتا اور عام طور پر لوگ قرآن کہتے ہوئے قاریوں کی طرح قؔ کی آواز گلے سے نہیں نکالتے بلکہ ایسی آواز ہوتی ہے جو قؔ اور کؔ کے درمیان درمیان ہوتی ہے۔ آپ نے بھی قرآن کا لفظ اُس وقت معمولی طور پر ادا کر دیا۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا بڑے نبی بنے پھرتے ہیں، قرآن کا لفظ تو کہنا آتا نہیں اس کی تفسیر آپ نے کیا کرنی ہے۔ جونہی اس نے یہ فقرہ کہا حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید جو اُس مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے اُسے تھپڑ مارنے کیلئے ہاتھ اُٹھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معاً ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دوسری طرف مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بیٹھے تھے، دوسرا ہاتھ انہوں نے پکڑ لیا۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پھر اسے تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ پھر آپ نے صاحبزادہ صاحب سے فرمایا کہ ان لوگوں کے پاس یہی ہتھیار ہیں۔ اگر ان ہتھیاروں سے بھی یہ کام

نہ لیں تو بتلائیں اَور کیا کریں۔ اگر آپ یہی امید رکھتے ہیں کہ یہ بھی دلائل سے بات کریں اور صداقت کی باتیں ان کے منہ سے نکلیں تو پھر اللہ تعالیٰ کو مجھے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کا مجھے بھیجنا ہی بتا رہا ہے کہ ان لوگوں کے پاس صداقت نہیں رہی۔ یہی اوچھے ہتھیار ان کے پاس ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ یہ ان ہتھیاروں کو بھی استعمال نہ کریں۔

پھر دشمنانِ احمدیت کے ایسے ایسے گندے خطوط میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پڑھے ہیں کہ انہیں پڑھ کر جسم کا خون کھولنے لگتا تھا اور پھر یہ خطوط اتنی کثرت سے آپ کو پہنچتے کہ میں سمجھتا ہوں اتنی کثرت سے میرے نام بھی نہیں آتے۔ میری طرف سال میں صرف چار پانچ خطوط ایسے آتے ہیں علاوہ ان کے جو بیرنگ آتے ہیں اور واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف ہر ہفتہ میں دو تین خط ایسے ضرور پہنچ جاتے تھے اور وہ اتنے گندے اور گالیوں سے پُر ہؤا کرتے تھے کہ انسان دیکھ کر حیران ہو جاتا۔ میں نے اتفاقاً اُن خطوط کو ایک دفعہ پڑھنا شروع کیا تو ابھی ایک دو خط ہی پڑھے تھے کہ میرے جسم کا خون کھولنے لگ گیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا تو آپ فوراً تشریف لائے اور آپ نے خطوط کا وہ تھیلا میرے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا انہیں مت پڑھو۔ اِس قسم کے خطوط کے کئی تھیلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ لکڑی کا ایک بکس تھا جس میں آپ یہ تمام خطوط رکھتے چلے جاتے۔ کئی دفعہ آپ نے یہ خطوط جلائے بھی مگر پھر بہت سے جمع ہو جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہی تھیلوں کے متعلق اپنی کتب میں لکھا ہے کہ میرے پاس دشمنوں کی گالیوں کے کئی تھیلے جمع ہیں۔ پھر صرف ان میں گالیاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ واقعات کے طور پر اتہامات اور ناجائز تعلقات کا ذکر ہوتا تھا۔ پس ایسی باتوں سے گھبرانا بہت نادانی کی بات ہے۔ یہ باتیں تو ہمارے تقویٰ کو مکمل کرنے کیلئے ظاہر ہوتی ہیں۔ ان میں ناراضگی اور جوش کی کون سی بات ہے۔ آخر برتن کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہی اس میں سے ٹپکتا ہے۔ دشمن کے دل میں چونکہ گند ہے اس لئے گند ہی اس سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ہمیں چاہئے کہ ہم نیکی وتقویٰ پر زیادہ سے زیادہ قائم ہوتے چلے جائیں اور اپنے اخلاق کو درست رکھیں۔ اگر دشمن کسی مجلس میں ہنسی اور تمسخر سے پیش آتا ہے تو تم اُس مجلس سے اُٹھ کر چلے آؤ، یہی خدا کا حکم ہے جو اُس نے

ہمیں دیا مگر بیہودہ غصہ اور ناواجب غضب کا اظہار بیوقوفی ہے۔ اگر اِس وقت جب کہ تم کمزور ہو اور تمہاری مثال دنیا کے مقابلہ میں بتیس دانتوں میں زبان کی سی ہے مخالفین کی حرکات پر تمہیں غصہ آتا ہے اور تم اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تو یاد رکھو جب ہمیں بادشاہت حاصل ہوگی اُس وقت ہمارے آدمی دشمنوں پر سخت ظلم کرنے والے ہوں گے۔ پس آج ہی اپنے نفوس کو ایسا مارو ایسا مارو کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں یا تمہاری اولادوں کو بادشاہت دے تو تم ظلم کرنے والے نہ بنو اور تمہارے اخلاق اسلامی منہاج پر سُدھر چکے ہوں۔ اگر آج تم صبر سے بھی کام لیتے ہو تو دنیا کی نگاہ میں یہ کوئی خوبی نہیں کیونکہ کمزوری کے وقت ظلم کو برداشت کر لینا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مسیح ناصریؑ سے مقابلہ کرتے ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہی دلیل پیش کی ہے کہ مسیح ناصری کا حلم اپنے اندر کیا حقیقت رکھتا ہے جبکہ انہیں سختی کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اور ان کی نیکی اپنے اندر کیا حقیقت رکھتی ہے جبکہ بدی کے مواقع ہی انہیں پیش نہیں آئے۔ ایک عنین اگر یہ کہے کہ میں بڑا عفیف ہوں، ایک اندھا اگر یہ کہے کہ میں نے کبھی بدنظری نہیں کی، ایک بہرا اگر یہ کہے کہ میں نے کبھی غیبت نہیں سُنی تو یہ کوئی خوبی اور کمال نہیں۔ خوبی اور کمال یہ ہے کہ انسان مخالف حالات میں سے گزرے اور پھر اپنے زہد و اتقاء کا شاندار نمونہ دکھائے۔ پس ہمارا آجکل کے زمانہ میں جب کہ ہم کمزور ہیں اور ہمیں کوئی طاقت حاصل نہیں مظلوم ہونا اور تمام مظالم کو برداشت کرتے چلے جانا دنیا کی نگاہ میں کوئی خوبی نہیں۔ گو خدا کی نگاہ میں ہے کیونکہ جب ہم اسی کی رضاء کیلئے اپنے نفسوں کو مارتے اور جذبات کو دبا دیتے ہیں تو یقیناً اس کی نظر میں مقبول ہیں۔ مگر دنیا اس امر کو نہیں سمجھتی۔ وہ خیال کرتی ہے کہ چونکہ اِس وقت یہ کمزور ہیں اس لئے مظالم برداشت کرتے چلے جارہے ہیں جیسے ہر کمزور طاقتور کے مقابلہ میں جھُکا رہتا ہے۔ پس چونکہ دنیا ہمارے صبر کو کمزوری اور ہمارے عفو کو ضُعف پر محمول کرتی ہے اس لئے اس کا جواب یہی ہے کہ جب خدا ہماری جماعت کو طاقت دے تو اُس وقت بھی وہ عدل اور انصاف کے دامن کو نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ کو ظلم سے روکے اور اس طرح اپنے عمل سے بتادے کہ کمزوری اور طاقت ہر دو حالتوں میں محض خدا کیلئے اس نے ہر کام کیا۔

پس دشمنوں کے حملوں سے مت گھبراؤ اور اس کی ناجائز تدابیر سے کبھی جوش میں نہ آؤ۔ ایک چیونٹی کو بھی مارنے لگو تو وہ انسان کو کاٹتی ہے، پھر وہ تو انسان ہیں۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ تم ان کے عقائد کو باطل کررہے، ان کی جمعیت کو ایک ایک کرکے اپنے ساتھ ملا رہے اور ان کو ان کے ہر حملہ میں ناکام و نامراد کررہے ہو اور وہ پھر بھی جوش میں نہ آئیں اور گالیوں کے رنگ میں اپنے دل کا بخار نہ نکالیں۔ انہیں صاف نظر آرہا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید ہماری جماعت کو حاصل ہے، انہیں اپنی آنکھوں سے دکھائی دے رہا ہے کہ آسمان سے فرشتے ہماری تائید کیلئے اُتر رہے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ وہ گھٹتے جارہے ہیں اور ہم بڑھتے جارہے ہیں، اگر یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود وہ جوش میں نہ آئیں تو کیا کریں۔ ان کے پاس صداقت تو ہے نہیں۔ پس وہ گالیاں دیتے اور تہذیب سے گرے ہوئے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہی چیزیں ان کے پاس ہیں۔ مگر تم چاہتے ہو وہ شکست بھی کھاتے جائیں اور بولیں بھی نہ۔

پس تم ان کو اپنا غصہ نکالنے دو اور اپنے اندر نیکی پیدا کرو اور تقویٰ کی بھٹی میں اپنی تمام اندرونی آلائشوں کو جلا دو تا آئندہ آنے والی نسلوں اور نئے احمدیوں پر تمہاری نیکی کا اثر ہو۔ چاہئے کہ تمہاری زبانیں کلماتِ محبت سے تر ہوں اور دشمن کی خیر خواہی بھی تمہارے دلوں میں مرکوز ہو۔ ہاں اس حد تک جو کم سے کم حد ہو تمہیں احتیاط بھی رکھنی چاہئے۔ مثلاً وہ لوگ جو منافقت کا نقاب اپنے چہرے پر اوڑھے رہیں اور جماعت کے اندر رہ کر جماعت کی بربادی کی کوشش کریں ان کی سازش کے ظاہر ہونے پر ضروری ہے کہ ان سے بول چال ممنوع قرار دی جائے۔ اگر کوئی سازش نہ کرے اور جماعت میں شامل رہ کر جماعت کے نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس سے بول چال ممنوع نہیں کی جاتی۔ یہ صرف ایسے شخص کو ہی سزا دی جاتی ہے جو منافقانہ رنگ اختیار کرتا ہے۔

کئی نادان ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر میں ایک دفعہ بعض لوگوں کو یہ سزا دی تھی مگر تم تو ہمیشہ یہ سزا دیتے ہو۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہت دی ہوئی تھی اور آپ اس سزا کے علاوہ

اور سزائیں دینے کی بھی طاقت رکھتے تھے مگر ہمارے پاس یہی ایک سزا ہے۔ اگر ہم یہ سزا بھی نہ دیں تو اور کیا دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مجرموں کو کوڑے لگانے کا حکم بھی دے دیتے تھے، آپ کے حکم سے سنگساری بھی کی گئی ہے، آپ نے بعض لوگوں کو مُلک سے جلاوطن بھی کیا ہے اور پھر ایک وقت میں آپ نے یہ بھی حکم دے دیا کہ فلاں فلاں شخص سے کوئی بات نہ کرے۔ پس جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اَور سزائیں دینے کا حق حاصل تھا تو جہاں آپ نے اَور سزائیں دیں وہاں ایک دفعہ یہ سزا بھی دے دی۔ مگر کیا ہم میں یہ طاقت ہے کہ ہم مجرموں کو شرعی سزا دیں؟ جب نہیں تو ہمارے پاس صرف ایک سزا کا اختیار باقی رہا اور وہ یہ کہ ہم بولنا چالنا منع کر دیں۔ اگر اس سزا کو بھی ہم ترک کر دیں تو اور کونسی سزا دیں۔ پس یہ سزا دینے پر ہم مجبور ہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عمر بھر میں ایک دفعہ یہ سزا دی تھی اور ہماری طرف سے متعدد مرتبہ دی گئی ہے۔ پھر یہ سزا جو ہماری طرف سے دی جاتی ہے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کا اندرونہ ظاہر ہو جائے۔ اگر تو اس کے دل میں سلسلہ کی محبت ہوتی ہے اور وہ جماعت سے جُدائی اپنی روح کیلئے ہلاکت کا باعث سمجھتا ہے تو جلد ہی اسے ہوش آ جاتا ہے اور وہ توبہ کر لیتا ہے اور اگر اس کے دل میں بدی ہوتی ہے تو وہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے اور پھر اسے محسوس تک نہیں ہوتا کہ میں کن لوگوں سے کٹ کر کن لوگوں سے جا ملا۔

میں نے دیکھا ہے بعض زمیندار جو اَن پڑھ ہوتے ہیں ان میں سے اگر بعض کو کسی غلطی پر ایسی سزا دی جاتی ہے تو سال بھر وہ روتے ہوئے گزار دیتے ہیں اور انہیں فوراً نظر آ جاتا ہے کہ جماعت کے پاک لوگوں سے الگ ہو کر انہیں کس قسم کے لوگوں کی صُحبت میں بیٹھنا پڑ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تین صحابہ کی ایک غلطی کی وجہ سے یہ حکم دیا کہ کوئی ان سے گفتگو نہ کرے تو ان میں سے ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ جب سزا کے آخری ایام تھے تو اُن دنوں ایک بادشاہ کی طرف سے مجھے خط ملا جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے تمہارے آقا نے تمہیں سخت سزا دی ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم ہر طرح تمہاری خاطر و مدارات کرنے کیلئے تیار ہیں۔ میں نے یہ خط دیکھتے ہی کہا کہ صُحبتِ صالح سے تو میں پہلے ہی محروم تھا، اب صُحبتِ طالح

میسر آنے لگی ہے اور یہ میرے لئے ایک امتحان کا وقت ہے۔ چنانچہ میں وہ خط لئے ایک بھٹی کے پاس گیا جس میں آگ جل رہی تھی اور جاتے ہی وہ خط اُس میں جھونک دیا اور چِٹھی دینے والے سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ تمہارے خط کا یہ جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ فعل ایسا پسند آیا کہ چند دنوں کے بعد ہی اس نے انہیں معاف کر دیا۔[۷]

تو نیک آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے کہ میں کن لوگوں سے الگ ہؤا ہوں اور اب کون سے لوگ میرے اِرد گرد ہیں مگر جس کے اندر بدی ہوتی ہے اسے بُروں کی صُحبت میں ہی لذت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو مصری صاحب کے دل میں اگر واقعہ میں سلسلہ کی محبت ہوتی اور احمدیت سے اخلاص رکھتے تو تھوڑے دنوں میں ہی وہ سمجھ جاتے کہ ایک پاک جماعت سے الگ ہو کر میں کس قماش کے انسانوں میں آملا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو مصلح کہتے ہیں مگر کیا مصلحین کا بَدوں سے تعلق ہوتا ہے یا نیکوں سے۔ پھر کیوں ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر وہ نیک تھے تو چاہئے تھا کہ نیکوں سے ان کا تعلق ہوتا نہ کہ بَدوں اور آوارہ منش لوگوں سے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ بسا اوقات سلسلہ کے دشمنوں اور آوارہ منش لوگوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ایسے خوش ہوتے ہیں کہ گویا خدا کی خاص تائید اُنہیں حاصل ہے اور اِس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہیں ایسے لوگوں کی صُحبت حاصل ہوئی۔ صاف پتہ لگتا ہے کہ ان کے دل میں احمدیت سے محبت نہیں۔ ورنہ ایسے لوگوں کو اپنے اِرد گرد دیکھ کر چاہئے تھا کہ وہ روتے اور خدا تعالیٰ کے حضور تضرع اور زاری کرتے اور کہتے خدایا! تُو نے کہاں سے نکال کر مجھے کہاں ڈال دیا۔ مگر وہ اس کا نام تائیدِ الٰہی اور نصرتِ ایزدی کہتے ہیں اور اس امر کو بھُول جاتے ہیں کہ اگر یہی تائیدِ ایزدی ہے تو یہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ پس اگر وہ سوچتے تو یہی نشان ان کیلئے کافی تھا اور اس سے وہ اگر چاہتے تو فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔

غرض یہ سزائیں جو بعض لوگوں کو دی جاتی ہیں یہ مجبوراً دی جاتی ہیں اور محدود طور پر دی جاتی ہیں۔ اور ہم سے اگر ہو سکے تو ہم تو چاہتے ہیں ان سزاؤں کو بالکل ہی مٹا دیں اور میں کئی دفعہ خود مصری صاحب کے بارہ میں ہی غور کر چکا ہوں کہ کیا کوئی ایسا طریق ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں ہی فتنہ وفساد کا مجرم بننے کے بغیر اس سزا کو ہی ان سے دور کر دوں لیکن

اب تک ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔مگر میں نے دیکھا ہے ہمارے دوست یہ امر سوچتے رہتے ہیں کہ کس طرح ان سزاؤں کو بڑھا دیں ۔

یہ امر اچھی طرح یاد رکھو کہ جس طرح بے غیرتی ایک گناہ ہے اور اس کا مرتکب خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا مورِد بنتا ہے اسی طرح ظلم بھی ایک گناہ ہے اور اِس کا مرتکب بھی خدا تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کا جواب دِہ ہے مگر تم میں سے بعض ایسے ہیں کہ غیرت کا مادہ اپنے اندر نہیں رکھتے ۔ بٹالہ جائیں اور مصری صاحب یا ان کے ساتھی اُنہیں مل جائیں تو بڑے تپاک سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہیں گے اور جب قادیان آئیں گے اور ان کے سامنے کوئی ان کا نام لے دے گا تو کہیں گے توبہ توبہ ایسے آدمی کا نام ہمارے پاس کیوں لیتے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہمیں ایسی رپورٹیں نہیں پہنچتیں ۔ رپورٹیں پہنچتی ہیں مگر ہم بغیر کسی کارروائی کے رکھ دیتے ہیں کیونکہ سمجھتے ہیں کہ یہ فعل بے ایمانی کی وجہ سے نہیں بلکہ حماقت یا بُزدلی کی وجہ سے ہے ۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بے غیرت مت بنو ۔مگر اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ تم ظالم بھی مت بنو ۔ ایسا نہ ہو کہ ایک گڑھے سے نکلو اور دوسرے گڑھے میں گر جاؤ ۔ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم فتنہ کو روکیں ۔کسی کی ذات کو نقصان پہنچانا اور اُسے بُرا بھلا کہنا نہ پہلے ہمارے مدنظر رہا ہے نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگا کیونکہ دل دُکھانا اور دشمن کے متعلق سخت الفاظ کا استعمال کرنا مؤمن کا کام نہیں ۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء سخت الفاظ کا استعمال کرتے ہیں ۔مگر یاد رکھو اللہ کے انبیاء مجسٹریٹ ہوتے ہیں اور مجسٹریٹ کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ چور کو چور اور سادھ کو سادھ کہے مگر تمہارا یہ حق نہیں کہ تم کسی کو چور یا ڈاکو کہو ۔ پس تم اپنے مقام کو سمجھو اور جو نبیوں کا مقام ہے وہ انہی کے پاس رہنے دو ۔تم اگر دشمن کی طرف سے گالیاں سنتے اور جوش دلانے والے واقعات بھی دیکھتے ہو تو تمہارا کام یہ ہے کہ تم صبر کرو اور ساتھ ہی استغفار کرتے چلے جاؤ تا ایک طرف تمہارے دل پر بے غیرتی کا زنگ نہ لگے اور دوسری طرف ظالموں والا غصہ پیدا نہ ہو، یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے ۔ وہ تمہیں ایسے مواقع پر استغفار کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب تم دشمن کی دلآزار باتیں سنو تو استغفار کرو اور استغفار پڑھنے سے ایک طرف تم ظالم نہیں

بنو گے اور دوسری طرف بے غیرت بھی نہیں بنو گے۔

پس دنیا کو اپنا نیک نمونہ دکھاؤ اور اپنی اولادوں کو بھی نیک بنانے کی کوشش کرو اور سزا کے معاملہ میں یہ امر یاد رکھو کہ اسے کم سے کم حد تک اور کم سے کم عرصہ کیلئے جاری کرو۔ ہاں اپنے رحم کو وسیع کرو اور اس حد تک کرتے چلے جاؤ جب تک رحم کرنا بے غیرتی کا موجب نہ ہو جائے مگر اس کے ساتھ ہی اس امر کو ملحوظ رکھو کہ نافرمانی کرنا بھی جُرم ہے۔ پس اگر کسی کے متعلق کسی سزا کا اعلان ہوتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرو کیونکہ جس کو خدا نے ایک کام کیلئے مقرر فرمایا ہے تمہارا کام نہیں کہ اُس کے احکام پر نکتہ چینی کرو۔ اور اگر تم اس کے احکام پر جرح کرو گے اور ان کی تعمیل میں کوتاہی سے کام لو گے تو تم نافرمان قرار پاؤ گے اور نافرمان بھی ظالم ہی ہوتا ہے۔ پس تم نہ تو نافرمانی کی حد تک جاؤ نہ بے غیرتی یا ظلم کی حد تک جاؤ بلکہ رحم کرو اور رحم میں وسعت اختیار کرو۔ کیونکہ خدا نے رحم کیلئے وسیع میدان بنایا ہے اور سزا کیلئے تنگ۔ وہ خود کہتا ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ [9] پس بنی نوع انسان پر رحم زیادہ سے زیادہ ہو اور سزا کم سے کم۔ اس گُر کے ماتحت تم اپنے تمام کام لاؤ اور فرمانبرداری اور اطاعت اختیار کرو اور جب دشمن کی طرف سے کوئی بُری بات سنو تو دل میں استغفار کرو تا اللہ تعالیٰ تم کو بے غیرت ہونے سے بچائے اور اللہ تعالیٰ تم کو ظالم ہونے سے بھی محفوظ رکھے۔''

(الفضل ۹ ؍ مارچ ۱۹۳۸ء)

۱؎ منبت: جائے روئیدگی۔ بنیاد

۲؎ کپٹ: بُغض۔ عداوت۔ دشمنی۔ حسد

۳؎ النور: ۲۰ ۴؎ النساء: ۸۴ ۵؎ الضُّحیٰ: ۱۲

۶؎ ، ۷؎ النساء: ۴۴

۸؎ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۴﴾ (نوح: ۲۴)

۹؎ الاعراف: ۱۵۷